جب وہ اٹھا تو صبح کا اجالا پھیل چکا تھا اور گھر میں کہرام برپا تھا۔ دونوں عورتیں صحن میں اپنے اپنے دروازے پر کھڑی جھگڑ رہی تھیں' بازو بڑھا بڑھا کر اشارے کر رہی تھیں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھیں۔

نعیم چارپائی سے اٹھا تو بھینس نے پیشاب کرنا شروع کر دیا' اس سے بچنے کے لئے اچھل کر پرے ہوا تو ٹخنوں تک گوبر میں گھس گیا' وہاں سے اچھلا تو پیشاب کے ایک چھوٹے سے تالاب میں جا گرا جہاں وہ گھٹنوں تک بھیگ گیا۔ دل ہی دل میں کوستا ہوا وہ نلکے کے نیچے جا کھڑا ہوا' چھوٹا لڑکا بھاگتا ہوا نلکا چلانے کے لئے آیا۔

عورتیں چیخ رہی تھیں۔

''پرسوں میں نے اسے کھلایا اور لے کے آج تو اسے گھس گئی۔ کرم کتیا۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

''اور پچھلے مہینے کھلا پلا کر میکے چلی گئی تھی تو تو نے گل چھرے نہیں اڑائے میرے مال پر۔''

''تمہارا یار جو مر گیا تھا' تیرا جانا تو ضروری تھا۔ اور کھا پی کر گیا وہ تیری ماں کے پاس جا کے سوتا۔''

''زبان بند کر چڑیل۔ میرا مال مفت میں نہیں آیا۔ تیرا جوان بیٹا کل آیا ہے اور آج ہی رات کو۔ آج ہی رات کو تو نے ... کیوں؟''

''تجھے شرم نہیں آتی کم ذات۔ نو مہینے ہوئے نہیں اسے اور لے کے بچہ باہر پھینک دیا۔ استغفر اللہ۔''

''بیٹا [illegible] میرے [illegible] نہیں تیرا بیٹا [illegible] نہیں [illegible]۔'' چھوٹی عورت نے عمداً سر ننگا کر کے اپنے سیاہ بال بڑھے کی طرف جھٹکے۔

کچھ دیر پہلے عباس بیگ کھسیانا چہرہ لے کر چھوٹی عورت کے کمرے سے نکلا تھا اور دونوں عورتوں کے درمیان آ کھڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر دیکھنے کے بعد غصے میں آ کر وہ بھی چیخنے لگا۔

''چپ رہو...... بے وقوفو...... تم دونوں کو باہر نکال دوں گا۔ دونوں کو مار دوں گا۔ دونوں کو پیٹوں گا۔ دونوں کو......'' اس کی داڑھی ہوا میں ہل رہی تھی اور دونوں بازو ہوا میں لہراتا ہوا وہ تیزی سے گھوم رہا تھا۔ دور سے دیکھنے والوں کے لئے وہ کسی دیہاتی ناچ کا منظر پیش کر رہا تھا۔

''بھونکنا بند کرو کتیو۔ دونوں کو کتے خرید دوں گا۔ دونوں کو گدھے خرید دوں گا۔ دونوں کو سؤر خرید دوں گا۔ پھر ٹھیک ہے؟'' ناچتے ہوئے اس نے بازو سے دونوں عورتوں کے درمیان کی ہوا کاٹی' مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ دونوں میں سے ایک بھی اس کے قریب نہ آنے پائے۔ یوں بچا بچا کر اس نے دو چار ہاتھ ہوا میں چلائے اور گردن لمبی کر کے دھمکاتا رہا۔ ''زمین میں گاڑ دوں گا۔ زندہ۔ جانتی ہو؟ سؤر خرید دوں گا۔''

مگر جب دونوں عورتیں پیچھے پکڑ کر پھنکارتی ہوئی بڑھیں اور گتھم گتھا ہو گئیں تو وہ شرمندگی سے ہنستا ہوا نعیم کی طرف آیا۔ ''تم باہر جاؤ۔ یہ سب اجڈ گنوار عورتیں ہیں۔ میں انہیں کچا چبا جاؤں گا۔'' اس نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا۔

UrduPhoto.com

دروازے کے باہر دو کتے چہلیں کر رہے تھے۔ ایک پلی ہوئی بھینس اطمینان سے جگالی کر رہی تھی۔ ایک کوا اس کے سر پر بیٹھا چونچ مار رہا تھا اور دو باتونی چڑیاں اس کے گوبر کو کرید رہی تھیں۔ رات والا سکھ لڑکا چھینٹ کی بنیان پہنے کتوں کے پاس کاہلی سے کھڑا جمائیاں لے رہا تھا۔ سامنے کھاد کے ڈھیر پر ایک کتیا اپنے متعدد بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ سکھ لڑکے نے لاپروائی سے نعیم کو دیکھا اور جمائیاں لیتا رہا۔

''تم چودھری نیاز بیگ کے بیٹے ہو؟'' پھر اس نے پرے دیکھتے ہوئے گنواروں کی طرح پوچھا۔

''ہاں۔''

''ہاں۔''

سکھ نے ایک نوعمر کتے کو کان سے پکڑ کر اٹھایا اور گھما کر جوہڑ میں پھینک دیا۔ کتا چیختا ہوا بھینسوں کی پیٹھ پر جا چڑھا جو وہاں نہا رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے جو بھینسوں کی دُمیں پکڑے تیر رہے تھے کتے کی نقل میں چیخنے اور اس پر پانی پھینکنے لگے۔

''آج پھر بڑھیاں لڑ رہی ہیں۔'' سکھ لڑکا سادگی سے ہنسا۔ ''روز لڑتی ہیں۔''

''کیوں؟'' نعیم نے غصے کو دبا کر کہا۔

''تین دن ایک چودھری کو مکھن کا پیڑا اور مرغا کھلاتی ہے، تین دن دوسری۔ ساتویں دن چودھری کھیتوں میں جا کر سوتا ہے۔ [illegible]''

نعیم کی گردن پر بال کھڑے ہو گئے۔ سکھ لڑکا پھر خوش دلی سے ہنسا۔

''روز چودھری کہتا ہے مار دوں گا۔ گاڑ دوں گا۔ پر اس نے آج تک ہاتھ نہیں اٹھایا۔''

نعیم انتہائی غصے کی حالت میں اپنے باپ کا حلیہ یاد کر کے ہنس پڑا۔

''لیکن بارہ سال ان کا بڑا سلوک رہا۔ جب چودھری جیل میں تھا تو دونوں بہنوں کی طرح رہیں اور ایک ہی تھالی سے کھاتی رہیں اور کسی غیر مرد کی ران نہیں دیکھی۔''

نعیم نے دل میں اسے گالی دی۔

''بڈھے کا انہوں نے عورتوں کی طرح انتظار کیا۔'' سکھ پھر بولا۔ ''چھنالوں کی طرح نہیں۔''

کچھ دیر تک آنکھیں سکیڑ کر مشرق کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ ایک طرف چل پڑا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''گندم لادنی ہے۔''

''میں بھی چلوں گا۔'' نعیم نے کہا۔ سکھ لڑکا بے دھیانی سے چلتا رہا۔ جوہڑ کے آخیر پہ جا کر وہ دائیں طرف مڑ گئے۔ سامنے وسیع اور ننگے کھیت تھے۔ بائیں طرف گاؤں کے چھوٹے چھوٹے کچے مکان تھے۔ سورج کافی اٹھ آیا تھا اور گرم چمک دار دھوپ کھیتوں میں پھیل گئی تھی۔ فصل کاٹ لی گئی تھی اور کہیں کہیں سبز گھاس کے قطعے

نمودار ہو رہے تھے۔ باقی جگہ پر بھوسے کی تاڑیں اور خشک 'سخت جڑیں بکھری ہوئی تھیں۔ تازہ تازہ کٹائی کے بعد جگہ جگہ کبوتروں اور دوسرے پرندوں کے پرے بیٹھے چگ رہے تھے۔ درخت صرف گاؤں کے ارد گرد اور جوہڑ کے کنارے پر تھے۔ زیادہ تر شیشم اور آم کے گھنے پیڑ تھے جن کے سائے میں مویشی بندھے تھے اور چارپائیوں پر اکاد کا کسان سو رہے تھے۔ دور مغرب میں گھنے درختوں کی قطار تھی اور کسی کسی کھیت میں پکی ہوئی فصل کھڑی تھی۔

وہ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے گاؤں سے نکل آئے۔

''کٹائی کی یہ کون سی رت ہے؟''

''ہم نے دیر میں بیائی کی تھی۔ ہماری وہ سامنے کچھ فصل کھڑی بھی ہے۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''ٹھاکر مہندر سنگھ۔''

چلتے چلتے وہ گیہوں کے کھیت کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں کی زمین نم اور گھاس سرسبز تھی۔

''تم کہاں سے آئے ہو؟'' مہندر سنگھ نے پوچھا۔

''دلی سے۔''

''وہاں رہتے ہو؟''

''نہیں۔ میں کلکتہ میں رہتا ہوں۔''

''کلکتہ۔'' مہندر سنگھ رک کر سوچنے لگا۔ پھر اس کے چہرے پر وہی بچوں کی سی ہنسی پھیل گئی۔ ''کلکتہ بنگال میں ہے۔ مجھ کو پتہ ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ ہے؟''

''میرا بھاپا وہاں تھا۔''

''وہاں کیا کرتا تھا؟''

''تمہیں اس سے کیا؟''

عجیب جاہل لوگ ہیں۔ نعیم نے سوچا۔ چوری کرتا ہوگا۔

وہ ایک خشک برساتی نالہ پار کر رہے تھے جس کی ریت تپنا شروع ہوگئی تھی۔

''تم نے میرا نام نہیں پوچھا؟''

''تم چوہدری نیاز بیگ کے لڑکے ہو۔ میں جانتا ہوں۔'' سنگھ سامنے دیکھتا ہوا معتبری سے بولا۔ جیسے ہی انہوں نے نالہ پار کیا وہ گندم کے کھیت کے کنارے کھڑے تھے۔ سونے کے رنگ کی فصل تیز دھوپ میں چمک رہی تھی۔ ہوا بالیوں میں سرسرا رہی تھی۔ فصل کی اوٹ میں چند کسانوں کے باتیں کرنے کی کرخت آوازیں آرہی تھیں۔ ایک بڑا سا لکڑی کا کانٹا تھوڑے تھوڑے وقفے پر فصل کے اوپر لہراتا۔ وہ گیہوں الگ کر رہے تھے۔ نعیم نے چھن کر

ایک خوبصورت بالی کو توڑا، ہتھیلی میں مسل کر دانے نکالے اور ایک دانہ منہ میں ڈال کر باقی کو پھینک دیا۔

”تمہیں فصل کی قدر نہیں، تم نے ایک سٹہ خراب کر دیا۔ تم شہر سے آئے ہو۔“ مہندر سنگھ نے نفرت سے کہا۔

سامنے سے ایک لڑکی آ رہی تھی۔ وہ لمبے قد کی صحت مند لڑکی تھی اور سر پر چنگیر اور چھاچھ کا مٹکا اٹھائے لاپروائی سے چل رہی تھی۔ اس نے کترا کر نکلنا چاہا تو مہندر سنگھ رستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پیشانی پر بل ڈال کر مسکرائی۔

”کہاں سے آ رہی ہو؟“

”بھاپے کو روٹی دے کے۔“

”مجھے بھی بھوک لگی ہے۔“

”تمہاری ماں مر گئی ہے؟“ لڑکی نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”تم اپنے بھاپے کی ماں ہو؟“ وہ ہنسا۔

”دانت مت دکھاؤ۔ مجھے جانے دو۔“

مہندر سنگھ نے چھاچھ کا مٹکا اس کے سر سے اچک لیا۔ وہ خالی تھا۔

”تیرا بھاپا بڑا پیٹو ہے۔ ساری لسی پی گیا۔“ وہ مٹکا لڑکی کے پیٹ میں مار کر بولا۔ وہ ذرا سا جھکی اور مٹکے کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

”[illegible]“

”تیری ماں بھی دکھائے گی۔“ اس نے گالی دی اور کندھا لڑکی کے سینے میں چبھویا۔ وہ پھاتی اور ہاتھوں کے زور سے دھکیلتی ہوئی اسے دور تک لے گئی۔ اس پر مہندر سنگھ نے تلچھا کر زور لگایا اور الٹے پاؤں اسے واپس لے آیا۔ دونوں کے چہروں سے پسینہ نکل رہا تھا۔ ہوا سے لڑکی کی دھوتی کا ایک پلو اڑ رہا تھا اور اس کی مضبوط، گندمی ران دکھائی دے رہی تھی۔

”چلو۔“ مہندر سنگھ نے ٹھوڑی سے کھڑی ہوئی فصل کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں۔ سور۔“ لڑکی نے ناخن اس کے کندھوں میں گاڑ دیے۔

”مجھے جانے دو۔“

لیکن وہ اسے دھکیلتا ہوا فصل کے اندر لے گیا اور بے شرمی سے ہنستے ہوئے دو دفعہ ”چلو، چلو“ کہا۔

”تمہارا بھاپا بیٹھا ہے۔ اسے بلاؤں؟“ لڑکی نے رک کر کہا۔

”وہ کیا کرے گا؟“

”تمہاری ہڈیاں توڑے گا۔“

”وہ ہمیں نہیں ڈھونڈ سکتا۔“

تبھی فصل کے پیچھے سے ایک کسان کی بھاری، خشک آواز آئی جو کسی کو پکار رہا تھا۔ مہندر سنگھ نے سیدھے

ہو کر بدمزگی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور گالیاں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ "کل تمہاری ساری لسی پیوں گا۔"

"کل بھاپے کے ساتھ جاٹ نگر جا رہی ہوں۔ بیائی پر لوٹوں گی۔" لڑکی ابرو اٹھا کر شرارت سے مسکرائی اور نالے میں اتر گئی۔ مہندر سنگھ نے بڑی سی گالی دی اور نعیم کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

"یہ کون تھی؟"

"تھی ایک چھنال۔"

"چھنال تو نہیں لگتی تھی۔"

"بکومت۔"

"اور کیا لگتی تھی؟"

نعیم کے سارے بدن میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔ "سکھو! تمہاری ماں تھی۔"

سکھ رک گیا۔ آنکھیں سکیڑ کر نعیم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے آہستگی اور مضبوطی کے ساتھ تہبند میں اڑسی ہوئی لکڑی کی پتلی بانسری نکالی۔ "اکڑو مت۔ مجھے جانتے ہو۔"

"جانتا ہوں۔ تمہارے پاس صرف ایک بانسری ہے۔"

"یہ تم لے لو۔" اس نے بانسری نعیم کی طرف اچھالی۔ "اب بھی تمہارا سر توڑ دوں۔"

"[illegible]"

UrduPhoto.com

وہ لمحوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے رہے۔ کئی لمحوں تک خاموشی اور کھچاؤ بڑھتا گیا۔ مہندر سنگھ نے بے دھیانی سے گیہوں کی چند بالیاں اکھیڑیں اور انگلیوں میں مروڑنے لگا۔ اس کی پگڑی میں سے گندے بالوں کی ایک لٹ گردن پر لٹک رہی تھی اور گھنی داڑھی میں بھوسے کے تنکے اٹکے ہوئے تھے۔

پھر اس نے بٹہ زمین پر پھینک دیا اور مخصوص ہنسی اس کے جبڑے سے چہرے پر پھیل گئی۔ "تم کل آئے ہو۔ ابھی کچھ روز چوہدری کی بڈھیوں کا دودھ پیو۔ پھر لڑنا۔"

"بزدل۔" نعیم نے بانسری گرا دی۔

"میں تم سے نہیں لڑتا۔" مہندر سنگھ ہنسا اور بانسری اٹھا کر لبوں سے لگا لی۔

اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے نعیم نے دیکھا کہ اس کے کندھے، جو بنیان سے باہر رہتے تھے، سیاہ ہو چکے تھے اور باقی پشت پر، جو گندمی رنگ کی تھی، بنیان کے مستقل نشانات پڑ گئے تھے۔

"تم قمیض نہیں پہنتے؟" نعیم نے پوچھا۔ مہندر سنگھ نے مڑ کر دیکھا اور بانسری بجاتا رہا۔

چلتے چلتے وہ دائیں ہاتھ مڑ گئے۔ سامنے چند کسان تیز دھوپ میں جھکے ہوئے گندم سے بھوسا الگ کر رہے تھے۔ ان کے جسم سیاہ اور چمکدار تھے۔

کئی مہینے گزر گئے۔ نعیم نے باپ کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ باقی سارا وقت وہ سویا رہتا۔ وہ بہت زیادہ کھانے اور سونے لگا تھا۔ اس کا ذہن گڈ مڈ سا رہتا اور ایک نامعلوم سا بے وجہ غصہ ہر وقت اس پر چھایا رہتا۔ بھاری بھاری قدموں سے چلتے ہوئے وہ حیرت اور خوف سے دیکھتا کہ وہ موٹا ہو رہا ہے' اس کا پیٹ بڑھ رہا ہے اور ٹھوڑی کے نیچے کا گوشت لٹکنے والا ہے۔ اس خیال سے وہ ہر وقت جھنجھلایا رہتا کہ وہ انتہائی کاہل اور بیچ ہوتا جا رہا ہے' گو اس کا باپ کہتا رہتا کہ گرمیوں کے موسم میں نیند عموماً زیادہ آتی ہے اور یہ صحت کے لیے مفید ہوتی ہے۔

کبھی کبھی وہ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے باپ سے کہتا: ''تم اپنی دکان شروع کیوں نہیں کرتے ہو بابا؟ یہ کام بہت سخت ہے۔ میں بھی دکان پر کام کروں گا۔''

نیاز بیگ کے گال سیاہ ہو جاتے۔ خوف ایک واحد جذبہ تھا جو ایسے وقتوں میں اس کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا۔ پھر جلد ہی وہی مستقل' پاگل خلا اس کی جگہ لے لیتا اور وہ کھیت میں جھک جاتا۔ ''ہاں ہاں۔ ہم کسی روز دکان شروع کریں گے۔ مگر زمین کا کام بھی اچھا ہے۔ ہم وہیں کا ہی کھاتے ہیں۔''

پھر کبھی وہ بڈھے سے کہتا: ''یہ ہر وقت لڑتے رہنا بھی اچھا نہیں۔ لوگوں کی نظر میں عزت جاتی رہتی ہے۔ عورتوں کے ساتھ سلوک سے رہا کرو۔ اور گالیاں مت دیا کرو۔''

اس وقت نیاز بیگ غصے میں آ کر چیخنے لگتا: ''اور تم مجھے سبق دینے کے لیے آئے ہو؟ تم میرے نطفے سے ہو؟ تمہیں پتہ [illegible] کا کیا [illegible]''

رات کو وہ کھانے پر بیٹھتے۔ ہفتے میں تین دن بڈھا ان کے ساتھ کھاتا' تین دن دوسری عورت کے ساتھ۔ ساتویں دن نعیم یا چھوٹا لڑکا اس کا کھانا لے کر کھیتوں میں جاتے۔ صرف وہی تین روز' جب گھر کا مالک مہمان ہوتا' کھانا اچھا پکتا' باقی دنوں میں روکھا سوکھا کھانے کو ملتا۔ ظاہر ہے۔

ایاز بیگ کے کئی خط آئے' جن کا نعیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک روز وہ مہندر سنگھ کے ساتھ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کر کے لوٹ رہا تھا کہ جوہڑ کے کنارے اسے ایاز بیگ کا معتمد خاص ملا جو دلی میں رہتا تھا۔ وہ سوکھے چہرے اور سیاہ دانتوں والا وضع دار بڈھا تھا۔ نعیم کو دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق آ گئی اور وہ گھوڑے کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔

''میں آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں' بھیا۔ میں آپ کے گھر بھی گیا تھا۔''

نعیم نے گھوڑا روک لیا۔ ''پھر؟''

''چوہدری نے مجھے گالیاں دیں' جناب اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔''

نعیم خاموش رہا۔

''آپ کے چچا نے آپ کو بلایا ہے' بھیا۔ وہ بہت متفکر ہیں۔ چھ بار دتی آ چکے ہیں اس دوران میں۔''

نعیم نے بے دھیانی سے گھوڑے کی ایال پر ہاتھ پھیرا۔ ''صحت کیسی ہے چچا کی؟''

"یوں صحت تو ٹھیک ہے مگر آپ نہ گئے، بھیا تو خراب ہو جائے گی۔"

وہ انہماک کے ساتھ ایال نوچتا رہا۔ سورج چھپ رہا تھا جب اس کے سینے میں کوئی بھاری، بدمزہ سے شئے تیرتی ہوئی نیچے کی طرف اتری اور اس نے پوچھا "اور سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں بھیا۔ ٹھاکر روشن سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ روشن محل کے پرویز میاں ولایت چلے گئے۔" وہ جانے لگا۔ نعیم گھوڑے کی پشت پر بیٹھا بے خیالی سے اس کے غیر دلچسپ، مشقتی چہرے کو جلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر ایک خیال، بڑا تیز اور واضح اس کے ذہن میں اُبھرا: "کیا فائدہ!"

دفعتاً نفرت اور غصے کا طوفان اس کے اوپر سے گزرا۔ "جاؤ۔" وہ بازو سے پیچھے کی طرف اشارہ کر کے چیخا "میں نہیں جاؤں گا۔" اور گھوڑے کی پسلیوں میں ایڑیاں مارنے لگا۔

وہ ابھی زیادہ دور نہ گیا تھا کہ پیچھے سے نیاز بیگ کی آواز سن کر رک گیا۔ وہ گالیاں دے رہا تھا اور مخصوص انداز میں، ایک ٹانگ پر ناچ رہا تھا۔ "جا حرامزادے نوکر۔ میرا بیٹا نہیں جائے گا۔ جا کر اسے کہہ دے کہ وہ میرے باپ کے نطفے سے نہیں ہے۔ وہ جولاہا ہے اور تو جولاہے کا نوکر ہے، چنانچہ جولاہا ہے۔ دفع ہو جا۔"

معتمد خاص، جو مسکین اور وضع دار آدمی تھا، پہلے ششدر کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر اپنی ذلت کا خیال کر کے ایک دم گرم ہو گیا اور رک رک کر بولا "تم ...... تم اس کی زمین میں سے نہیں کھاتے؟ تمہاری کہاں سے کہاں ہے آپ کی؟ حساب کیجیے ......"

نعیم نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور معتمد کے سر پر جا چڑھا۔ معتمد گرا، پھر اٹھا اور پوری قوت سے بھاگنے لگا۔

"جولاہے ...... نوکر ......" چیختا ہوا نیاز بیگ دور تک اس کے پیچھے بھاگتا گیا۔ دھند لکے میں گاؤں پر اپلوں کے دھوئیں کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

UrduPhoto.com

(۲)

بیائی زوروں پر تھی۔ پچھلے چند دنوں میں نیاز بیگ اور نعیم نے بہت محنت کی تھی۔ ان کے پاس بیلوں کی صرف ایک جوڑی تھی۔ گو مہندر سنگھ کئی بار انہیں ایک اور جوڑی مہیا کر دینے کی پیشکش کر چکا تھا مگر باپ بیٹا جانتے تھے کہ یہ بیل چوری کے ہوں گے۔ چنانچہ وہ اپنے دو بیلوں پر قانع رہے اور آٹھ ایکڑ زمین بیائی کے لیے تیار کر کے باقی پانچ ایکڑ ساونی کے لیے چھوڑ دی۔ کل تیرہ ایکڑ ان کی ملکیت تھی۔

ابھی بہت رات باقی تھی جب نیاز بیگ نے اٹھ کر حقے میں پانی ڈالا، چولہے میں سے رات کا دبایا ہوا دھکتا ہوا اپلا نکالا، تمباکو سلگایا اور حقہ پینے لگا۔ بڑھیا اور چھوٹا لڑکا زمین پر سو رہے تھے۔ کونے میں نعیم کی چارپائی تھی۔

"آج آخری رات ہے اوھر۔" اونگھتے ہوئے اس نے سوچا اور اپنی بیوی کے ڈھیلے ڈھالے سوکھے جسم

پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ عورت نیند میں کسمسائی۔ کمرے میں سوتے ہوئے انسانی جسموں کی مخصوص بو تھی' اور گرم خواب آلود بھاری سانسوں کی آواز آرہی تھی۔ آنگن میں پھیلی ہوئی سفید خنک چاندنی دروازے کے راستے اندر آرہی تھی اور کمرے میں رکا ہوا اپلوں کا دھواں دودھیا دکھائی دے رہا تھا۔ نیاز بیگ وہیں بیٹھا بیٹھا ساتھ والے کمرے میں سوتی ہوئی چھوٹی عورت اور آنے والی شب کے تصور سے دل ہی دل میں لطف لینے لگا۔

پھر اس نے اٹھ کر کمرہ پار کیا اور حقے کی نے نعیم کی گردن میں چبھوئی۔ ''کیسے سوتے ہو؟ جاڑا سر پر آگیا اور بیائی ابھی اتنی باقی ہے۔''

نعیم نے اندھیرے میں آنکھیں کھولیں اور کروٹ بدل کر سو گیا۔ نیاز بیگ چارپائی پر بیٹھ کر حقہ گڑگڑانے لگا۔ نعیم کی نیند اچاٹ ہوگئی۔

''میں ہل لے کر کیکر والے کھیت میں جا رہا ہوں۔ بیج لے کر آجاؤ۔'' نے منہ سے الگ کیے بغیر اس نے کہا اور بڑھیا کے پاس جا کر رک گیا۔ ایک پاؤں اٹھا کر اس نے سوتی ہوئی عورت کے پیٹ پر رکھا اور ہولے سے دبایا' پھر اس کے سینے پر' پھر گردن پر' پھر ٹانگوں پر' کچھ دیر تک وہ اسی طرح اپنے تلووں میں بوڑھے جسم کی حرارت محسوس کرتا رہا' پھر اندھیرے میں ہنسا اور باہر نکل آیا۔

''اٹھو' کسانوں کے بیٹے لڑکیوں کی طرح نہیں سوتے۔'' دروازے سے ہل اٹھاتے ہوئے اس نے کہا اور بیل کھول کر باہر نکل آیا۔

کاتک کا چاند جیسے بالکل سامنے کھڑا تھا' اور آخیر خزاں کی خنک اور سفید لٹھے کی سی کھڑکھڑاتی ہوئی رات چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ جوہڑ کے کنارے چند کتے اس پر کاہلی سے بھونکے۔ درختوں کے نیچے سوئے ہوئے کسانوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور کروٹ بدل کر پھر سو گئے۔

''اتنے سویرے کہاں جاتے ہو چودھری۔'' ایک کسان نے خواب آلود آواز میں پوچھا۔

''بیائی کو۔''

''اللہ کرم کرے۔''

''اللہ کرم کرے۔'' نیاز بیگ نے اکتاہٹ سے دہرایا۔

''لونڈے کو محنت کرایا کرو۔ شہر میں رہ کر نازک ہوگیا ہے۔''

وہ نعیم کے دیر کرنے پر غصے سے بھرا گیا۔ مگر بیلوں کی رسیاں تھامے' حقہ گڑگڑاتا ہوا چلتا رہا۔ خاموش' سفید فضا میں بیلوں کی گھنٹیاں سحر خیزی سے بج رہی تھیں۔

کیکر کے نیچے پہنچ کر وہ ہل جوتنے لگا۔ پھر کھیت میں گھس گیا اور زمین کو محسوس کرنے لگا۔

''بالکل تیار ہے۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا اور خوشی کے مارے کھیت کا لمبا چکر کاٹا۔ زمین سہاگا پھرا کر ہموار کر دی گئی تھی اور اندر سے نرم اور نمدار تھی۔ اس میں بس اتنا پانی تھا کہ مٹی ہاتھ میں بھر بھی جائے اور انگلیوں

UrduPhoto.com

پر نمی بھی چھوڑ جائے۔

''پانی پورا ہے۔ بالکل پورا ہے۔'' اس نے بار بار مٹی کو ہاتھ میں لے کر ملتے ہوئے کہا۔ پھر جا کر بیلوں کو تھپتھپایا اور جیسا کہ بعض کسانوں کو عادت ہو جاتی ہے' ان کا مزاج پوچھا۔ چاندنی رات میں ایک سایہ اس کے قریب آ کر رک گیا۔

''کس سے باتیں کر رہے ہو؟'' یہ ایک لمبا تڑنگا سکھ کسان تھا۔

''زمین میں بالکل پورا پانی ہے۔'' نیاز بیگ بھاگ کر گیا اور مٹھی بھر مٹی لا کر خوشی سے اسے دکھانے لگا۔ سکھ کسان نے مٹی کو انگلیوں میں ملا اور گرا دیا۔

''بالکل پورا پانی ہے۔'' سکھ نے دہرایا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''پانی لگانے۔''

''پانی لگانے؟!''

''باری اب آئی ہے۔''

''ہے...... تو بیائی کب کرو گے؟''

''پانی [illegible] ہے۔''

''اچھا تو اوا وہ اب تم پانی دو گے تو بیائی ماگھ میں کہیں جا کر ہوگی۔ ایں؟''

''ہاں۔''

''تمہیں جلدی کرنی چاہیے۔ تم ہمیشہ دیر کر دیتے ہو۔ پار سال تم نے فصل پچھلے مہینے میں جا کر اٹھائی تھی۔ یاد ہے؟''

''واہگرو کی مرضی۔''

''تمہیں سستی نہیں کرنی چاہیے۔''

''اور تم سمجھتے ہو کہ میں عورت کے ساتھ سویا رہتا ہوں؟ میری صرف ایک عورت ہے۔'' سکھ کسانوں کی موٹی' خام آواز میں ہنسا۔

اس کے جانے کے بعد نیاز بیگ نے غصے سے ادھر ادھر دیکھا اور گھر کی جانب دوڑ پڑا۔ نعیم ابھی تک سو رہا تھا۔ اس نے اونچی آواز میں اسے پکارا:

''ہم جب جوان ہوئے تو ہمارے باپ نے لسی پانی ہمارا سب بند کر دیا کہ سو سو کر پوتی نہ ہو جائیں۔'' اس نے کہا۔ نعیم نیند سے بوجھل جسم لیے چارپائی کے کنارے پر بیٹھا رہا۔ ''چلاتے کیوں ہو۔ ابھی اتنی رات باقی ہے۔'' وہ جھنجھلایا۔ رات کے کھانے سے ابھی تک اس کا معدہ بھی بھاری تھا۔ آنکھیں بند کیے اس

UrduPhoto.com

نے پتلون ٹانگوں پر چڑھا لی۔

دونوں نے مل کر گندم کی بوری گھوڑی کی پیٹھ پر رکھی اور باہر نکل آئے۔ ہاتھ سے بوری تھامے وہ گھوڑی کے برابر کھیتوں کے بیچوں بیچ چلتا رہا۔ نیاز بیگ' جو پیچھے پیچھے آ رہا تھا' کبھی کبھی تیز' بے سُری آواز میں گانے لگتا۔ چاندنی اس قدر صاف تھی کہ چیونٹی تک نظر آ رہی تھی۔ پچھلی رات کی بوجھل' نمدار ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی اور وہ چلتے چلتے اونگھنے لگا۔

کیکر کے نیچے ایک گیدڑ منہ اٹھائے کھڑا غور سے بیلوں کو دیکھ رہا تھا۔ نیاز بیگ نے دور سے اسے دیکھ لیا۔ اس نے فوراً نعیم کو روکا' چکر کاٹ کر دبے پاؤں پیچھے سے گیا' قریب جا کر گھٹنوں کے بل ہو گیا' پھر لیٹ گیا اور آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔ گیدڑ آہٹ پا کر چونکا اور بھاگ گیا۔ نیاز بیگ نے گالی دی۔

''الو کی گھوڑی پالے سے بچ گئی ہے۔ اس کے لیے چاہیے تھا۔''

''گیدڑ؟'' نعیم نے پوچھا۔

''ہاں۔ اس کا گوشت گرم ہوتا ہے۔''

بوری اتروا کر وہ فوراً کھیت میں گھس گیا۔ ''آؤ' میرے ساتھ چلو۔'' دوسرے چکر پہ گزرتے ہوئے وہ پکارا: ''دیکھو' ہل پھیرنے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس میں تم ہتھی پر بوجھ نہیں ڈالو گے' صرف نالی کو زمین میں ڈبوئے رکھنا [illegible]''

اس نے نالی نعیم کے حوالے کی' بیج کی جھولی اس کی پشت پر کس کر باندھی اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ تیسرے چکر پر وہ کھیت سے باہر نکل آیا اور کیکر کے نیچے کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔

''ہوں ہوں ہوں۔ لکیر ٹیڑھی جا رہی ہے۔'' وہ وہیں سے چیخا۔ نعیم اگلے سیدھے قدم رکھتا' نالی سے کشتی کرتا' زیرِ لب گالیاں دیتا ہوا بیلوں کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔

''ہواوووں۔'' اس کا باپ پھر چلایا۔ ''اندھے ہو؟ بیج باہر گر رہا ہے۔''

''تمہاری نظر بڑی تیز ہے۔'' نعیم نے جل کر کہا۔ ''چاندنی کی روشنی میں دانے دیکھتے ہو۔''

وہ بے حد احتیاط کے ساتھ بیائی کر رہا تھا' لیکن تھوڑے تھوڑے وقفے پر اسے برابر ڈانٹ کھانی پڑ رہی تھی۔ لکیر سیدھی رکھنے کی کوشش میں بیج باہر گرنے لگتا' اور اس کی طرف دھیان دیتا تو نالی باہر نکل آتی۔ خنکی کے باوجود اس کے سارے جسم میں سے پسینہ نکل رہا تھا۔

''نیلے کی دم مروڑ' اوپر والے کی۔ دبتا ہے کمین کا بیل۔ کھانے کو تو تین مرلے بھی کھا جائے۔'' اس کا باپ چیخا۔ وہ بغیر سنے کام میں مصروف رہا۔ جب دوبارہ نیاز بیگ چلایا: ''نیلے کو چلاؤ' نیلے کو۔'' تو اس نے جھنجھلا کر بیل روک دیے اور خالی جھولی پشت پر سے اتار کر اس کے پاس لا کر پھینکی۔

''جب میں نے پہلے دن بیائی کی تھی تو ایک سو چالیس کیکر کی چھڑیاں مجھے پڑی تھیں۔ اتنی بیلوں کو نہیں

ماریں جتنی باپ نے مجھ کو ماریں۔" ایاز بیگ نے جھولی بھر کر نعیم کی کمر پر کستے ہوئے کہا۔

"تو تم اب بدلہ اتارنا چاہتے ہو؟"

"کام کرو۔ چلاؤ نہیں۔ سویرا ہونے والا ہے۔"

"دادا جب مرا تو تم چھوٹے سے تھے۔ مجھے پتہ ہے۔"

"جرح مت کرو۔ سویرا ہونے والا ہے۔"

صبح کا ستارا تیزی سے چمکنے لگا۔ پھر دوسرے ستارے ایک ایک کر کے غائب ہونے لگے۔ اجالا پھیلا اور چاند سفید ہو گیا۔ سورج نکلنے تک نعیم کا جسم اتنا نہیں تھکا تھا جتنا اس کا مزاج نیاز بیگ کی جھک جھک سے بگڑ چکا تھا۔ مگر آخر اس نے بیائی کرنا سیکھ لی تھی۔ آخری کھیت اس نے مکمل صفائی سے بویا تھا۔ دو گھڑی دن گزر چکا تھا جب اس نے بیل کھولے، انہیں کیکر تلے باندھا اور لسی کا مٹکا اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ اس کی چھوٹی ماں آج اپنی باری پر چھاچھ اور روٹی لے کر آئی تھی۔ دستر خوان پر دو باجرے کی روٹیاں پڑی تھیں۔ ایک پر مکھن چپڑا تھا جسے اس کا باپ کھانے لگا۔ خشک روٹی اس کے حصے میں آئی۔ اس کی ماں بیٹھی چند ماہ کے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ وہ معمولی شکل کی ایک سیدھی سادی عورت تھی اور اس کے سنولائے ہوئے چہرے پر کسان عورتوں کی عام جلدی بیماری کے سفید دھبے تھے۔

"ابھی [illegible] ہے۔" [illegible] نے کہا۔

"باقی کل کریں گے۔"

"کل؟ کل؟" پھر وہ طنز سے ہنسا۔ "کلکتے میں بیائی پچاس تک کرتے رہتے ہیں؟ آج شام تک بیائی ختم ہو جانی چاہیے۔ سنا؟" "ہنہ ہنہ ہنہ کل!"

"کل کیوں نہیں؟" نعیم نے غصے سے کہا۔

"جو دو سیر آج رات کو ہم بیج میں سے کھا لیں گے کل وہ کہاں سے آئے گا؟"

وہ خاموشی سے کھاتے رہے۔ اس کے باپ کے جبڑوں کی آواز دور تک جا رہی تھی۔ کئی کسان ہل پکڑے ہوئے پاس سے گزرے۔ سورج اونچا ہو گیا تھا اور دھوپ میں سفیدی اور سختی آ چلی تھی۔ تازہ تازہ بچھائے ہوئے بیج پر کبوتروں کے غول آ رہے تھے جنہیں نیاز بیگ گالیاں دیتا ہوا اڑاتا جا رہا تھا۔

"نعیم کو بھی مکھن دو۔" عورت نے نیاز سے کہا۔

"ہاں ہاں لو کھاؤ۔ آج تم نے محنت کی ہے۔"

نعیم اپنی روٹی ختم کر کے باپ کی روٹی کھانے لگا۔

"میں تو تمہیں بھی علی کی طرح سمجھتی ہوں۔" چھوٹی ماں نے اس سے کہا۔ نعیم نے خاموشی سے کھانا ختم کیا اور لسی کا کٹورا بھر کے پیا۔ پھر وہ سوئے ہوئے بچے کے گالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ نیاز بیگ نے باقی لسی ایک

سانس میں چڑھائی اور حقہ گڑگڑانے لگا۔

''لو حقہ پی لو۔ پھر تمہیں کام کرنا ہے۔''

''میں نہیں پیتا۔'' نعیم نے زمین پر لیٹتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے اب بیائی نہیں ہوگی۔'' نیاز بیگ نے تیز تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر غصہ دکھانے کو ہوا میں بازو پھینک کر کبوتروں کو گالیاں دینے لگا۔ جب سارا تمبا کو جل گیا تو وہ اٹھا۔ ''اسی لیے بیائی کے دنوں میں ہمیں مکھن نہیں ملتا تھا۔'' اس نے اپنے آپ سے بات کی اور جھولی کمر پر لاد کر کھیت میں چلا گیا۔

دھوپ تیز ہوگئی۔ کیکر کے نیچے کی زمین بیک وقت نیم گرم' ٹھنڈی اور نمدار تھی۔ نعیم کو چھاچھ اور باجرے کی خماری چڑھنے لگی۔

''تمہاری ماں سمجھتی ہے میں تمہاری دشمن ہوں۔'' چھوٹی ماں نے بات شروع کی۔ ''اب ایلی ہوگیا ہے تو میرا کیا قصور ہے؟ وہ کہتی ہے میں نے ٹونا کیا ہے۔''

نعیم بچے کے جسم پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ وہ چھوٹا سا صحت مند' گندمی رنگ کا بچہ تھا اور اس کے سوتے ہوئے منہ سے دودھ کی بو آ رہی تھی۔ ''ہاں تمہیں لڑنا نہیں چاہیے۔ میں نے ماں سے بھی کہا تھا۔'' اس نے کہا۔ بچے کی پکی ہوئی فصل کی طرح سنہری جلد کو تھپکتے ہوئے اسے بہت پیار آیا۔ لیٹے لیٹے منہ آگے بڑھا کر اس نے اسے پیار کیا۔ وہ پہلی دفعہ اس بچے [illegible] اور شاید [illegible] کسی عورت سے [illegible] تھا۔

''آج میں نے تین کھیت بیائی کی ہے۔ علی کو خوب دودھ پلاؤ۔ پھر ہم مقابلے پر ہل چلایا کریں گے اور باپ یہاں بیٹھ کر گالیاں دیا کرے گا۔''

لڑکا ہلا اور آنکھیں بند کیے کیے رونے لگا۔ ماں نے گریبان کھول کر ملائم سی' گندمی' دودھ سے بھری ہوئی چھاتی اس کے منہ میں دے دی۔ ''تم بھی میرے بیٹے ہو۔ ایلی بھی۔ تم دونوں کا ایک خون ہے۔''

نعیم بچے کا پاؤں دانتوں میں لے کر دبا رہا تھا۔ عورت نے پہلی بار غور سے اس جوان' اجنبی آدمی کی طرف دیکھا اور رونے لگی۔

''بارہ سال تک ہم بہنوں کی طرح رہیں۔ میرے باپ نے' جب میرا پہلا خاوند مر گیا تو' مجھے یہاں پر دے دیا۔ مجھے آئے ہوئے تین دن ہوئے تھے کہ تمہارا باپ چلا گیا۔ ہم ایک چھت کے نیچے رہیں اور کسی دوسرے مرد کی ران نہ دیکھی۔ اب وہ میری دشمن ہے۔'' وہ دیر تک باتیں کرتی رہی۔ نعیم لیٹا لیٹا سو گیا۔

سارا پچھلا پہر نیاز بیگ بیائی کرتا رہا۔ دھوپ میں کام کرنے سے اس کا رنگ سیاہ ہوگیا اور پسینے سے داڑھی اور چھاتی کے بال بھیگ گئے۔ مگر جب وہ واپس آیا تو بیج کی بوری خالی ہو چکی تھی اور دو کھیت ابھی باقی تھے۔ وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا:

''ادھار لینا پڑے گا۔ بیلوں کو گھر لے جاؤ۔''

جاگیردار کا منشی' جو حویلی کے ایک حصے میں رہتا تھا' ادھیڑ عمر' موٹا تازہ سرخ رنگت کا آدمی تھا اور آنکھوں پر چشمہ لگاتا تھا جس سے اس کی حیثیت گاؤں میں یوں بھی مسلّم ہو جاتی تھی۔ جب یہ باپ بیٹا نہا دھو کر اس کے پاس پہنچے تو وہ دور سے دیکھ کر پکارا:

''آ چوہدری۔ کیسی گزار رہے ہو؟ قرض کے بغیر؟''

''ہاں قرض کے بغیر' قرض کے بغیر۔'' نیاز بیگ نے اس کے پاس دیوان پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''پر اب نہیں۔''

''جان مانگ لو چوہدری پر بیج نہ مانگو۔ ایک دانہ جو ہو بھائی' قسم ہے......''

''قسم نہ کھا گنہگار' رک جا۔ میں ایک قدم بے بوئی زمین کے لیے جان دے دوں گا۔ تم جانتے ہو کمین۔'' وہ ہنسا۔ منشی نے زور سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور گالی دی۔ پھر وہ کھسر پھسر کرنے لگے۔

''ایک دس' بس بس۔ زیادہ مت بک ایک دس ٹھیک ہے۔'' نیاز بیگ نے کہا۔

''میں تیری داڑھی کا ایک بال نہ چھوڑوں گا' یاد رکھ۔'' منشی ہنسا۔ ''ایک بارہ۔''

''بس بس' ایک دس...... ایک دس......'' نیاز بیگ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایک بارہ...... ایک بارہ......'' منشی نے دہرایا اور نیچے بیٹھے ہوئے ایک کسان کو اشارہ کیا۔

''اللہ......''

''اللہ کرم کرے۔''

دونوں نے منشی کے گودام سے آدھی بوری گندم کی لی اور اسے گھوڑی پر لاد کر واپس ہوئے۔

''ہمیں اب دس بوریاں دینی پڑیں گی؟'' نعیم نے بوری تھام کر چلتے ہوئے پوچھا۔

''پانچ۔ یہ آدھی بوری ہے۔''

''بہت زیادہ ہے۔ تم فصل میں سے کیوں نہیں رکھتے؟''

''اس دفعہ تو بہت تھا۔'' وہ رکا۔ ''ایک اور منہ جو آ گیا۔''

''کون؟'' نعیم نے بے خیالی میں پوچھا۔ پھر دفعتاً وہ بے حد جھلا گیا۔ ''تو میں چلا جاؤں؟''

نیاز بیگ چپ چاپ سر جھکائے چلتا رہا۔ بڑھتے ہوئے اندھیرے میں اس کے چوڑے جسم کا خفیف سا جھکاؤ اور ڈھلکے ہوئے کندھے ایک سن رسیدہ دیو کے معلوم ہو رہے تھے۔ اس کے بھاری قدموں کی مستقل مسلسل آواز گلی میں اٹھ رہی تھی۔ بے کواڑ کے دروازوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہیں عورتیں اور مرد چولہوں کے گرد بیٹھے کھاتے ہوئے دکھائی دیے۔ اپلوں کا تیز گھنا دھواں گلی کو لپیٹ میں لیے تھا اور وہ بار بار آنکھیں پونچھ رہے تھے۔

پھر اس نے سر اٹھایا اور جب وہ بولا تو اس کی بھاری' کرخت آواز میں کسانوں کے خام جذبات کی نرمی

UrduPhoto.com

اور کپکپاہٹ تھی۔

''نہیں۔ تم ابھی اپنا ہی خون اور گوشت ہو۔ پر تمہیں کام کرنا چاہیے۔''

جاڑوں کی ایک شام کو مہندر سنگھ کے گھر چند لوگ جمع ہوئے۔ مجمع زیادہ تر گاؤں کے نوجوانوں پر مشتمل تھا جو اس کے بھائیوں کے دوست تھے اور مختلف ٹولیوں میں بیٹھے تھے۔ ہر ایک ٹولی کا سرغنہ مہندر سنگھ کا ایک بھائی تھا جو اپنے دوستوں کے حلقے میں بیٹھا ڈینگیں مار رہا تھا اور بڑی انکساری کے ساتھ دودھ کے گلاس پیش کرتا جا رہا تھا۔ سب نوجوان نہا دھو کر، کھیتوں کی مٹی اتار کر، آنکھوں میں سرمہ اور سر میں تیل ڈال کر آئے تھے۔ انھوں نے اپنے اپنے بہترین بھڑ کیلے لباس اور رنگے ہوئے کچے چمڑے کی جوتیاں پہن رکھی تھیں۔

سکھوں کا گھر گاؤں سے باہر جوہڑ کے کنارے پر تھا۔ دالان میں، جہاں لوگ جمع تھے، چند چارپائیاں پڑی تھیں اور دیوار کے ساتھ دو لالٹینیں لٹک رہی تھیں۔ کچھ لوگ چارپائیوں پر بیٹھے تھے، باقی چٹائیوں پر، جو نیچے بچھی تھیں۔ کمرہ دھوئیں، مٹی کے تیل کی بو، قہقہوں اور باتوں کے شور سے بھرا ہوا تھا۔ مہندر سنگھ کا بڑا بھائی اس رات کا دولہا تھا۔ اس نے سفید ریشم کا لباس پہن رکھا تھا اور سر سے ننگا تھا۔ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا لیکن اپنے اپنے لباس دکھانے کے شوق میں سب نوجوانوں نے لوئیاں اور کمبل اتار کر کونے میں ڈھیر کر دیے تھے اور اب کچے دودھ کے نشے میں بیٹھے تھے۔

''میری گندم میں تو کچھ نظر نہیں آتے، مہندرو۔'' فقیر دین نے، جو منشی کا خاص جاں نثار تھا، اپنی آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔

''ہاں بے۔ تمہاری فصل میں تو منشی اور اس کی بیوی نے ایک ایک بوٹے پر پیشاب کیا ہے۔ کل کو تمہارا پسینہ بھی نظر نہ آئے گا۔'' مہندر سنگھ نے کہا، جو اکیلا اکیلا پھر رہا تھا۔

جوگندر سنگھ کو مہمانوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں بار بار جانا پڑ رہا تھا، لیکن کیکر کی شراب کے نشے میں اسے سردی کا احساس نہ تھا اور وہ تیز ہوا میں خالی قمیص پہنے پھڑاتا ہوا اندر باہر پھر رہا تھا۔ ساتھ والے کمرے میں، جہاں بھوسہ بھرا تھا، خالی جگہ پر چٹائی بچھا کر شراب کی مٹکی دھری تھی اور پینے والے کسان ارد گرد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''میرا نیلا بیماری کی حالت میں بھی چھ گھنٹے متواتر ہل کے آگے چل سکتا ہے۔'' منجھلے بھائی کرم سنگھ نے کہا۔

''اور آسانی سے دو مرلے زمین تیار کر سکتا ہے۔'' ایک بوڑھا، جو بھوسے کے ڈھیر کے ساتھ لیٹا تھا، بولا۔

''او کبڑے بوڑھے۔ تیری ماں...'' کرم سنگھ نے شراب سے بھرا ہوا مٹی کا پیالہ زمین پر دے مارا۔ ''تین مرلے تو میں خود ہل کے آگے لگ کے تیار کر دیتا ہوں، جولاہے۔''

ساتھ بیٹھے ہوئے تین آدمیوں نے، جو دیر سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے، شراب کے پیالے زمین پر رکھے اور کسی بات پر ہنسنے لگے۔ وہ سر پیچھے پھینک کر کرخت آوازوں سے ہنس رہے تھے اور اپنے کھردرے بڑی

UrduPhoto.com

بڑی گانٹھوں والے ہاتھوں سے تالیاں بجا رہے تھے۔ ان کے سیاہ چہروں پر شراب اور ہنسی کی وجہ سے موٹی موٹی رگیں ابھر آئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر کرم سنگھ ہنسنے لگا اور بوڑھے کی ران پر ہاتھ مار کر بولا:

"دیکھ کبڑے جولاہے' ان کی ماں کو کچھ ہو گیا ہے۔"

بوڑھا مسخرہ چیخیں مار کر ہنسنے لگا۔ تھوڑی سی شراب چھلک کر اس کی چھاتی کے سفید بالوں میں جذب ہو گئی۔ جوگندر سنگھ دروازے پر نمودار ہوا۔

"چھ ماہ بعد میں نے یہ مٹکی نکالی ہے آج کے لیے۔ اور یہ تیرے دادے سے بھی بڈھے کیکر کی ہے کبڑو۔ دو گھونٹ تیری عقل کے لیے بہت ہیں۔ تھوڑی پی۔" وہ ہنس کر آگے چلا گیا۔

کچھ دیر کے بعد جب ایک موٹی تازی جوان لڑکی جو جوگندر سنگھ کی بیوی تھی' دروازے کے سامنے سے گزری تو اس کے منہ سے خوف کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ہوا کے زور سے بوڑھے کی چلم میں سے چند چنگاریاں اڑ کر بھوسے پر جا گری تھیں اور وہ جلد جلد ہاتھ سے مسل رہا تھا۔ لڑکی نے بدحواسی کے ساتھ اپنے خاوند کو آوازیں دے کر بلایا' جس نے گالیاں دیتے ہوئے بھاگ بھاگ کر پانی کی چند بالٹیاں بھوسے پر ڈالیں۔

"سارا نشہ خراب کر دیا سرے نے۔ اس واہگرو کے دشمن کو یہاں کیوں لائے تھے؟" وہ بڈھے سے حقہ چھینتے ہوئے بولا۔

"[illegible] بھائی نے کہا۔" تھا کر بلدیو سنگھ میرا مہمان ہے۔ تو حقہ یہاں رکھ دے۔"

جوگندر سنگھ نے اپنے چھوٹے بھائی کے نشیلے چہرے کی طرف دیکھا اور حقہ چھوڑ دیا۔ "دروازے تو بند کرو پھر۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"اب پچھلے کیلا بھوسہ جانوروں کو ڈالنا' ورنہ سارا سڑ جائے گا۔"

اس کی بیوی کلدیپ کور نے کہا۔

"کتیا کی اولاد۔ سارا نشہ خراب کر دیا ماں کے یار نے۔" وہ کنڈی چڑھا کر چلا گیا۔

کلدیپ کور' جس نے شادی کے بعد پہلی دفعہ اتنا بڑا مجمع دیکھا تھا' بغیر پیے نشے میں تھی۔ وہ مستعدی سے کھانے کا انتظام کرتی ہوئی بھاری کولہے ہلا ہلا کر اور چھاتی آگے نکال کر چلتی ہوئی ادھر ادھر آ جا رہی تھی۔ مضبوط جسم کی ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر معصومیت تھی اور سکھ عورتوں کے خوبصورت نقوش اس کے حصے میں آئے تھے۔

نعیم جوہڑ کے کنارے چلتا ان کے گھر میں داخل ہوا۔

"شادی ہو رہی ہے؟"

"نہیں دستار بندی ہے۔" مہندر سنگھ نے کہا۔ نعیم گاؤں بھر میں اس کا واحد دوست تھا۔ دونوں دالان کی طرف چلے گئے۔ اندر جو لوگ بیٹھے تھے سب جاگیردار کے مزارعین تھے اور نعیم غریب ہونے کے باوجود کاشت کار

کا بیٹا تھا' چنانچہ سب نے اسے اپنی اپنی طرف بلا کر پاس بیٹھنے کے لیے کہا۔

"کل تو نے جو گھڑ دوڑ میں مہندرو کو ہرایا' جوان' تو چوہدری کا نام رکھ لیا"' ایک پکی عمر کے آدمی نے کہا۔

"چوہدری بھی بڑا دلیر آدمی تھا۔ پر اس کا بیٹا نمبر لے گیا۔ وہ جو لاہوں کی گھوڑی کس گھوڑے سے ملائی ہے چوہدری؟" ایک اور آدمی نے پوچھا۔

"مشی کے گھوڑے سے۔" نعیم کی بجائے فقیر دین نے جواب دیا' اور حقہ نعیم کی طرف بڑھایا "لو حقہ پیو۔"

"میں نہیں پیتا۔" نعیم نے برے بناتے ہوئے کہا۔

"وہ تو نکما گھوڑا ہے۔ پوٹی ہے۔" پیچھے سے ایک کمزور آواز والا کسان بولا۔

"کون سا؟ مشکی؟" فقیر دین گچی آنکھیں پوری طرح کھول کر مڑا۔

"اچھا مشکی' مشکی۔ میں سمجھا وہ جو مشی کے بیٹے کی دستار بندی پر آیا تھا" کمزور آواز والے نے معذرت کی۔

"دارو پیو گے؟" مہندر سنگھ نے پوچھا۔

"نہیں۔"

کیکر کی شراب سے مدہوش ہو کر بھوسے کے کمرے والے باہر نکل آئے تھے اور آنگن میں اوٹ پٹانگ قسم کا ناچ ناچ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر دالان میں بیٹھے ہوئے چند لڑکے' جو بہت اچھا ناچتے تھے' لوگوں کے اصرار پر اٹھے اور آنگن میں ... ایک قطار میں ... کر ایک دیہاتی ناچ شروع کر دیا۔ ایک بوڑھا کان پر ہاتھ رکھ کر گانے لگا۔ وہ اونچی' کرخت اور پتھر کی طرح کی بھاری آواز میں گیت کے بے معنی بند گا رہا تھا اور ناچنے والے قطار سے نکل کر دائرے میں ہو گئے تھے اور تیزی سے گھومتے ہوئے جھک کر ایک ساتھ تالی بجاتے ہوئے اور اچھل کر بازو ہوا میں پھینکتے ہوئے ناچ رہے تھے۔ یہ بے ہنگم' وحشیانہ قوت اور خوشی کا مظہر' جنگلیوں کا ناچ تھا۔

"دستار بندی کیا ہے؟" نعیم نے مہندر سنگھ سے پوچھا۔

"بھائیے نے جنگلی توڑی ہے۔"

"ایں؟"

"ہاں۔ نہیں سمجھے؟ تمہاری عقل میں نہیں آئے گا۔ یہ شیروں کی دنیا ہے۔"

"حکومت۔ تم نشے میں ہو۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں' چودری صاب۔ ہم میں سے جب تک کوئی دوسرے کا کوٹھا نہ توڑے پگڑی نہیں باندھ سکتا۔"

"پگڑی تو جوگندر پہلے بھی باندھتا تھا۔"

"وہ تو واہگرو کی پگڑی تھی۔ یہ عزت کی پگڑی ہے۔ دستار۔ نہیں سمجھے؟ دلیری اور مردانگی کی۔"

UrduPhoto.com

نعیم ہنسا: ”کوٹھا کیسے توڑا؟“

”رات علی پور گئے۔ مگر وہ لوگ جاگ گئے بلو نگڑے۔“

”پھر؟“

”پھر کیا۔ تھوڑی سی لڑائی ہوئی اور ایک بھینس لے آئے۔ ایک کو مارنا بھی پڑا۔“ مہندر سنگھ نے گالی دی۔

”یہ تو چوری ہوئی۔“

”بزدلوں کے اپنے نام ہوتے ہیں۔“ پھر یکلخت اس نے اپنی شرابی آنکھیں پھرائیں۔ ”اور ایک لفظ بھی جو تو نے کہا تو واہگرو کی قسم۔ واہگرو کی قسم یاد رکھنا۔“

نعیم خاموش کھڑا ناچنے والوں کو دیکھتا رہا۔ گانے والے کی اداس بھاری آواز کے ساتھ ناچ کی خاموش تال نے مل کر سرد چاندنی کو طلسمی بنا دیا تھا۔

پھر کھانا دیا گیا۔ بھنے ہوئے آٹے کا حلوہ جس میں گڑ اور بہت سا گھی ڈالا گیا تھا اور تنور کی روٹیاں تھیں۔ سب کسان لڑکے پیچھے بیٹھ کر انگلیوں پر تول تول کر حلوہ کھانے لگے اور گھی ان کی داڑھیوں پر بہنے لگا۔ ایک ساتھ کئی جبڑوں میں سے چکنے حلوے کی 'چپ چپ' سنائی دے رہی تھی۔

”یہ لوگ کٹائی تک گندم کھاتے رہتے ہیں۔ محنتی لڑکے ہیں۔“ کسی نے کہا۔

کلدیپ کور [illegible] جا رہی تھی۔ اس کے سرخ گالوں پر پسینے کے قطرے رکے ہوئے تھے۔

کھانے کے بعد ایک بڑی سی سرخ ریشمی پگڑی جوگندر سنگھ کے سر پر رکھی گئی اور سب لوگوں نے باری باری اٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور 'سردار جوگندر سنگھ مبارک ہو' کہا۔

کسانوں کے پاس باتیں کرنے کو بہت کچھ نہیں ہوتا وہ بے علم' آنکھوں والے' سیدھے سادھے غیر دلچسپ اور قناعت پسند لوگ ہوتے ہیں جن کی زیادہ تر زندگی محض عمل اور حرکت سے عبارت ہوتی ہے۔ ان کے پاس وہ ذہانت نہیں ہوتی جس کی بدولت انسان مکمل طور پر مطمئن ہوتے کے باوجود گفتگو کرنے کی خواہش محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ ناچ' کھانے اور مبارک باد کے بعد جب انہوں نے حقہ پینا شروع کیا اور تھوڑی دیر کے بعد دالان میں صرف گھر کے لوگ رہ گئے۔ باہر چولہے کے پاس کلدیپ کور اور اس کی ساس بیٹھی اونگھ رہی تھیں۔

تیسرے دن گاؤں میں پولیس آئی۔ انہوں نے جوگندر سنگھ' کرم سنگھ اور خشونت سنگھ کو پکڑ لیا اور پنچایت والوں کو بلا کر گواہیاں لینے لگے۔ تینوں بھائیوں کو الف ننگا کر کے پیٹھ پر ڈنڈے مارے گئے اور پنچایت والوں کو گالیاں دی گئیں لیکن ایک بھی گواہی نہ مل سکی۔

نیاز بیگ کے گھر دونوں عورتیں دھوپ میں کام کر رہی تھیں۔ ایک چرخہ کات رہی تھی اور دوسری لحاف تگند رہی تھی۔ چھوٹا لڑکا بھینس کو نہلا رہا تھا۔ جب وہ فارغ ہو کر کانپتا ہوا آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا تو بڑی عورت بولی:

''چھوٹی جھینس کو بھی نہلا دو۔ وہ بھی تمہاری پھوپھی کی ہے۔''

چھوٹی عورت نے چرخے پر نظریں اٹھا کر نرمی اور محبت سے اسے دیکھا۔ لڑکا جا کر چھوٹی جھینس کو نہلانے لگا جو حالانکہ بڑی تھی مگر چھوٹی عورت کی تھی اس لئے چھوٹی کہلاتی تھی۔ صبح کا سورج کمزور اور سرد تھا۔ سردی کی وجہ سے انسان چرند پرند سب دھوپ میں نکل آئے تھے اور فضا پر رونق تھی۔

نیاز بیگ گھر میں داخل ہوا اور بات کئے بغیر حجرے والے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے اور وہ معمول سے پہلے چلا آیا تھا۔ دونوں عورتیں کام چھوڑ کر اس کے پیچھے پیچھے گئیں۔

''جاؤ.... کوئی پوچھے تو مت بتانا۔'' اس نے چہرہ حجرے میں گاڑ دیا۔ ''جاؤ دروازہ بند کر دو۔'' اس کے رخساروں کی ہڈیاں نمایاں ہو گئی تھیں اور سوداوی آنکھوں میں سہم آ گیا تھا۔

چھوٹا لڑکا بھاگتا ہوا داخل ہوا۔ ''پولیس آئی ہے۔''

دونوں عورتوں نے جھٹ سے [illegible] چارپائی کھڑی کر کے اس پر لحاف پھیلا دیا۔ پھر دونوں صحن میں خاموش بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں۔ ان کے گھر کا سارا کام رک گیا۔ صحن میں مرغیاں خوش دلی سے دانہ چگ رہی تھیں۔

نعیم نے کھیتوں کی طرف سے لوٹتے ہوئے مہندر سنگھ کو دیکھا جو فصل کی اوٹ میں کسی شے پر کود رہا تھا۔ جب وہ فصل [illegible] لوٹا۔

''آج کوئی لونڈیا نہیں ملی؟''

مہندر سنگھ کی کشتی جاری رہی۔ وہ ہاتھ میں ایک اینٹ پکڑے اس مہیب الجثہ جانور سے زور آزمائی کر رہا تھا۔

''یہ اینٹ سے نہیں نکلے گی۔'' نعیم نے کہا۔

''چپ رہو۔ سور۔'' وہ دانت پیس کر جھینس سے جٹ گیا۔ وہ بار بار اس کی گردن کو بازوؤں میں لے کر اس کے ہونٹ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بھاری' سست اور طاقتور جانور ایک ہی زوردار جھٹکے سے اسے دور پھینک دیتا۔ وہ اٹھ کر دوبارہ اس پر لپکتا۔ اس کے سیاہ جسم کا ایک ایک پٹھا نمایاں ہو جاتا اور چہرے پر جنگلی جانوروں کی وحشت پھیل جاتی۔ اس کے کودنے سے پانی کی نالی ٹوٹ گئی تھی اور پانی کھیتوں میں جانے کی بجائے وہیں پر پھیل رہا تھا۔

آخر مہندر سنگھ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور جھینس کا منہ کھول کر اینٹ کی ایک زوردار ضرب سے اس کا دانت آدھا توڑ دیا اور چھلانگ لگا کر دور جا گرا۔

''پاگل ہو گئے ہو؟''

''تمہارے باپ ادھر آ رہے ہیں۔'' مہندر سنگھ گاؤں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''کون؟''

وہ صرف موٹی موٹی گالیاں دیتا رہا۔ ''ساری بھٹی میں سے ڈھونڈ کر یہ کھنگر نکالا۔ لوہے سے زیادہ مضبوط

ہے۔'' اس نے اینٹ کو گہری فصل میں پھینک دیا۔

اسی وقت فصل کے پیچھے سے دو سپاہی نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے۔ آتے ہی انہوں نے بھینس کو کھولا اور مہندر سنگھ اور نعیم کو ڈنڈے مارتے ہوئے آگے لگا کر لے گئے۔

جوہڑ کے کنارے سکھوں کے سارے مویشی جمع تھے اور تینوں بھائی اوندھے لیٹے جوتے کھا رہے تھے۔ اس قافلے کو آتے دیکھ کر تھانیدار کے پاس سے ایک سان اُٹھ کر بھاگا۔

''یہ میری بھینس ہے۔ میری بھینس۔ یہی ہے۔ انہوں نے ہی میرے نوکر کو مارا ہے۔ میری بھینس تاکو۔ چھوڑو...... سکھو۔''

مہندر سنگھ بھاگ کر بھینس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ ''خبردار! تیری ماں کی زبان کھینچ لوں گا۔ یہ دیکھ...... یہ تیری ماں بوڑی میں نے منڈی سے خریدی تھی پوس میں۔ تیری بھینس بوڑی تھی؟'' اس نے ہونٹ اٹھا کر بھینس کا ٹوٹا ہوا دانت دکھایا۔

''یہ بدمعاش ہے صاف۔'' کسان چلایا۔ ''ابھی اسے چھوڑ دو تو سیدھی میرے گھر پر جائے گی۔ ابھی......''

''اور یہ میرا بیل لنگڑا۔'' مہندر سنگھ نے دم کے بیل کی ذرا سی دم ہوا میں اٹھا کر سب کو دکھائی۔ پھر وہ بھاگ بھاگ کر سب مویشیوں کی خصوصیات بیان کرنے لگا۔ ''اور یہ میرا بیل کانا۔ اور یہ میری گائے...... اور یہ گائے چوکان۔ اور یہ میری بھوری......''

جب وہ تھانیدار کے قریب سے گزرا تو اس نے گھما کر ڈنڈا مہندر سنگھ کے کندھوں کے بیچ میں مارا۔

''لٹا دو اسے......''

سپاہیوں نے اسے ننگا کر کے اوندھے منہ لٹایا اور ڈنڈے مارنے لگے۔ دوسرے بھائیوں کے برعکس' جو خاموش تھے یا آہستہ آہستہ کراہ رہے تھے' اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ پھر چند منٹ کے بعد سپاہی مارتے مارتے رک کر پوچھتے تو جواب گالیوں میں ملتا۔

''اسے دھونی دو......'' تھانیدار گرجا۔

انہوں نے درخت کی ٹہنی سے اس کے پاؤں باندھ کر الٹا لٹکا دیا۔ پھر سرخ مرچ کو آگ دکھا کر اس کی ناک کے قریب لے گئے۔

''میں بتاتا ہوں۔ مجھے کھولو۔'' وہ گھبرا کر چلایا۔ جب انہوں نے دھواں پرے کیا تو وہ چھینکیں مارنے لگا۔ چھینکیں ختم کر کے خاموش ہو گیا۔ تھانیدار کے بار بار پوچھنے پر بھی چپکا لٹکا رہا۔ پھر اچانک اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر چیخا۔

''میں نہیں جانتا تیری ماں کو کون لے گیا......''

چند کسان لڑکے' جو کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے' ہنسنے لگے۔ اسے دوبارہ دھونی دی گئی۔ وہ لگاتار چھینکیں

مارنے اور بچوں کی طرح اونچی آواز سے رونے لگا۔

''مجھے اتارو...... میں بتاتا ہوں۔'' اس نے دہرایا۔ جب اتارا گیا تو وہ ناک اور حلق صاف کر کے روتا ہوا بولا: ''مجھے کچھ پتہ نہیں۔ کچھ پتہ نہیں۔''

تماش بین لڑکے پھر ہنسنے لگے۔ ''تھوڑا سا دارو پی لو۔ دھونی کچھ نہ کہے گی۔'' ایک نے کہا۔ مہندر سنگھ نے پلٹ کر اسے گالی دی۔

اسے پھر دھونی دی گئی اور وہ چلاتا چلاتا بے ہوش ہو گیا۔ شام کے وقت پولیس کوئی ثبوت برآمد کیے بغیر واپس چلی گئی۔

رات کو کچھ لوگ مزاج پرسی کی خاطر سکھوں کے ڈیرے پر گئے۔ کرم سنگھ کے دوستوں نے اس کی زخمی پیٹھ پر تیل کی پٹیاں رکھنی شروع کر دیں۔ باقی [illegible] پاس بیٹھ کر [illegible] اور گپیں مارنے لگے۔ کلدیپ کور دالان کے کونے میں دبکتے ہوئے اپنے پر تیل اور لونگ کڑکڑا رہی تھی۔

''ہنہ [illegible] عورت کی عورت۔'' جوگندر سنگھ داخل ہوا اور بیوی کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ [illegible] مار نہیں پڑی؟ تو جو بچہ جننے والی کی طرح ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا ہے؟''

ایک [illegible] کی پیٹھ پر [illegible] تو وہ بلبلا اٹھا اور پٹی دیوار پر کھینچ کر ماری۔ ''لے جا اسے ماں کے پاس۔ میں نہیں لگواتا۔'' وہ بیٹھ کر کراہنے لگا۔

''ہنہ...... عورت کی عورت۔'' جوگندر نے دہرایا۔

''سئور......'' کرم سنگھ نے دانت پیسے۔ چند کسان ہنسنے لگے۔

چھریرے بدن کا ایک کسان گھٹنوں تک کیچڑ میں لتھڑا ہوا داخل ہوا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ لمبوترے سیاہ چہرے والا آدمی تھا اور اس کے جسم پر صرف جانگیہ اور بنیان تھی۔ جوگندر سنگھ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''واہگرو کی فتح۔ رام سنگھ کیسے آئے؟''

جواب دینے کی بجائے رام سنگھ دیوار کے ساتھ گھسٹ کر بیٹھ گیا۔ جوگندر سنگھ اٹھ کر اس کے قریب گیا اور دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ یکبارگی جوگندر سنگھ کے چہرے پر غصے کے آثار پیدا ہوئے اور وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا ''کب؟''

''کل۔ آدھی رات۔'' رام سنگھ نے کہا۔ مہندر سنگھ نعیم کے پاس سے اور کرم سنگھ چارپائی سے اٹھ کر ان سے جا ملے اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔ سب کے رنگ سفید اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ مزاج پرسی کے لئے آئے ہوئے کسانوں نے اپنے اپنے حقے اٹھائے اور رخصت ہونے لگے۔

''آج رات کو...... آج ہی......'' جوگندر سنگھ نے کھڑے ہو کر گالی دی اور اعصابی انگلیوں سے پگڑی